کس لئے؟

از

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

سلسلہ کے لئے دیکھئے برہان بابت ماہ نومبر

بہرحال کلمہ "کن" جو داغ کے نزدیک "آئینہ طلبی" کے مرادف ہے۔ اسی آئینہ میں جن جلوؤں کو ہم دیکھ رہے ہیں، ساری کائنات ہی اسی کلمہ "کن" کے مظاہرہ ہیں، کھلی ہوئی بات ہے کہ اس لحاظ سے عالم کا ذرہ ذرہ، تنکا تنکا پتہ پتہ خدائی کمالات کی نمائش گاہ ہے، لیکن بایں ہمہ یہی دیکھا بھی جارہا ہے کہ قامت میں خواہ جتنا بھی کہتر اور چھوٹا نظر آتا ہو۔ لیکن "قیمت" میں آدمی کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا، انواع و اصناف کی خصوصیتوں کی بحث و تحقیق کرنے والے بھی اسی نتیجہ تک پہنچ رہے ہیں کہ ارتقائی کمالات کا آخری نقطۂ عروج ساری کائنات میں انسان، اور انسانیت ہی ہے اور یوں بھی ہر دیکھنے والی آنکھیں تسخیری و اقتداری آثار کے ان نظاروں کو کیسے جھٹلا سکتی ہیں کہ عناصر پر جمادات پر، نباتات پر حیوانات پر اور کیا کیا بتایا جائے کہ کن کن چیزوں پر انسان چھایا ہوا ہے اور چھاتا چلا جارہا ہے، مشاہدہ سے بھی اسی کی تصدیق ہو رہی ہے، اور تاریخ کے نامعلوم زمانہ سے یہی سنایا بھی جارہا ہے۔ توراۃ ہی کے پہلے باب میں ہے کہ۔

> پھر خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت پر اپنی شبیہہ کے مانند بنائیں، اور وہ سمندر کی مچھلیوں، اور آسمان کے پرندوں، اور چوپایوں اور تمام زمین اور سب جانداروں پر جو زمین پر رینگتے ہیں، اختیار رکھیں"
>
> (کتاب پیدائش باب ۱ ۲۶)

خود ہمارا وطن ہندوستان، جو مذہبی اقلیموں میں دنیا کا شاید سب سے زیادہ پرانا اقلیم اور خطہ سمجھا جاتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت کی بلندی و برتری کے اس پہلو سے وہ بھی نامانوس نہ تھا، مہابھارت تک جیسی عام متداول

کتابوں میں ایسے فقرے ہمیں مل جاتے ہیں، مثلاً شانتی پرب کا وہ حصہ جسے "موکش دھرم پرتن" کہتے ہیں، اسی کے ساتویں ادھیائے میں ہے کہ

نتش (آدمی) دیو کی مورت ہے

مہا بھارت کے مترجم نے اس کے نیچے لکھا ہے۔

"آدمی پرمیشر (خدا) کی صورت ہے"

یہی اس فقرے کا مطلب ہے، اس شانتی پرب کے اسی حصہ کے ستویں ادھیائے میں یہ بھی ہے کہ

"یہ منش دیہہ (قالب انسانی) بڑا اتم (شریف) ہے"

آگے لکھا ہے کہ

اسی دیہہ (قالب انسانی) سے آتما (روح) کی رکھشا (حفاظت)
سے شبھ کرموں (اعمال حسنہ) کو حاصل کرنا ممکن ہے"

اور وید کا حوالہ دیتے ہوئے اسی موقعہ پر بیان کیا ہے کہ "اسی دیہہ (قالب) سے وید کے بموجب منش انیک (طرح طرح) کے دھرم کرم کرسکتا ہے"

خلاصہ یہ ہے کہ سمیٹک (سامی) نسلوں کی بھی اور آریائی خاندانوں کی یہ جانی پہچانی حقیقت تھی، قرآن میں جسے زیادہ صاف اور واضح کھلے کھلے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے،

"ہم نے انسان کو سب سے زیادہ حسین قالب پر پیدا کیا"

یعنی لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کا جو حاصل ہے

"ہم نے اس کو (آدم) کو اپنے دونوں ہاتھوں سے گڑھا ہے"

جو قرآنی الفاظ خلقت بیدی کا ترجمہ ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی کہ

"میں نے آدم میں اپنی روح پھونکی"

"نفخت فیہ من روحی" کے یہی معنی ہیں، اور گو قرآن میں یہ الفاظ نہیں پائے جاتے لیکن ہمارے یہاں بھی

خلق اللہ آدم علی صورتہ (بخاری و مسلم جمع الفوائد ج۲) پیدا کیا آدم کو اللہ نے اپنی صورت پر،

کی حدیث مشہور ہوئی۔

سچ پوچھئے، تو یہ اور ان ہی جیسے دوسرے تفصیلات کو قرآن نے صرف ایک لفظ

"خلیفہ"

میں کچھ اس طریقہ سے بند کر دیا ہے کہ شکوک و شبہات جو اس سلسلہ میں پیدا ہوتے ہیں ان کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے اور جو مقصود ہے اس کی صحیح ترجمانی کے لئے اس سے زیادہ بہتر، زیادہ موزوں لفظ شائد سوچا بھی نہیں جا سکتا حاصل جس کا یہی ہے کہ انسان خدا تو نہیں ہے، اور جو مخلوق بن کر پیدا ہوا ہو، ظاہر ہے کہ وہی خدا یعنی ایسا وجود کیسے بن سکتا ہے جسے کسی نے پیدا نہ کیا ہو، لیکن باوجود مخلوق ہونے کے خلیفہ کے لفظ سے یہی بتانا مقصود ہے کہ خدا کے خدائی کی نمائندگی اپنے ان صفات و کمالات کی راہوں سے آدمی کا وجود کر رہا ہے جو خدا کی طرف سے اس کو بخشے گئے ہیں، خدا کو آدمی نے اپنی صورت پر بنایا ہے اس کا یہی مطلب[۵] ہے۔

اب اس کے بعد مثلاً آپ سے پوچھتا ہوں کہ کسی لاغر اور مریل، نحیف و نزار، مدقوق و مسلول آدمی کو دنگل میں نیچا دکھا کر اپنی پہلوانی کے کمال کو کوئی پہلوان نمائش کر رہا ہو، پہلوانی کے کمال کی نمائش کی صحیح شکل یہ ہو سکتی ہے۔ یا اپنے جوڑ کے پہلوان کو اپنے قدموں پر جھکا کر جو دکھا رہا ہے، پہلوانی کے کمال کا واقعی اور قدرتی آئینہ یہ نظارہ ہی ہے۔

جو خود ہی مر رہا ہو اس کو گر مارا تو کیا مارا

گلیوں اور کوچوں میں ٹھوکریں کھانے والے گداگروں کی فروتنی بھی کوئی فروتنی ہوئی؟ سعدی نے لکھا ہے اور ٹھیک لکھا ہے

---

[۵] واقعہ یہ ہے کہ "صورت" کا لفظ جب بولا جاتا ہے تو عموماً اس سے چہرے کے ان امتیازی خصوصیات ہی کی طرف ذہن آدمی کا منتقل ہوتا ہے، جن کا تعلق قوت باصرہ یعنی بینائی سے ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جو چیزیں سونگھی جاتی ہیں، چکھی جاتی ہیں، سنی جاتی ہیں، چھوئی جاتی ہیں، سب ہی اپنے اندر ایسی امتیازی خصوصیتیں رکھتی ہیں ان ہی راہ سے مثلاً حسن کے عطر کو گلاب کے عطر سے یا مرغ کی آواز کو بیل کی آواز سے مٹھائیوں کے مزوں کو نمکین چیزوں کے مزوں سے ہم جدا کرتے ہیں اور یہی امتیازی خصوصیات ان چیزوں کی صورتیں ہیں، آدم کو خدا نے اپنی ہی صورت پر پیدا کیا ہے اسی وجہ سے اس کا صحیح مطلب یہی ہے کہ آدمی کو خدا نے اپنے صفات و کمالات کا مظہر بنایا ہے یا یوں کہئے کہ خدائی صفات کی نمائندگی انسانی وجود کرتا ہے خلیفہ کا لفظی ترجمہ "نمائندہ" ہے یہی میرا مطلب ہے کہ "خلیفہ" کا لفظ سارے شکوک و شبہات کی تاریکیوں کو مٹا دیتا ہے۔

تواضع زگردن فرازاں نکوست

جھکی ہوئی گردنوں کو آپ جھکائیں گے کیا وہ تو خود ہی جھکی ہوئی ہیں کھنچی ہوئی گردنوں کا جھکا دینا کمال ہو سکتا ہے تو ہی ہو سکتا ہے۔

"کمال نمائی" کے اسی معیار کو اپنے سامنے رکھ لیجئے اور سوچئے کہ ساری کائنات پر تسخیری اقتدار رکھتے ہوئے گویا عالم کو اپنے قدموں پر جھکائے ہوئے، خلافتی اور خدانمائی کے ان سارے خصوصیات کے ساتھ جن سے انسانی وجود سرفراز کیا گیا ہے ان سب کو لے کر جو اپنے آپ کو اپنے خالق اور پیدا کرنے والے خدا کے لئے بنا رہا ہے، جو کچھ بھی اس کو ملا ہے سب ہی کو لے کر خدا کے قدموں پر یہ کہتے ہوئے جو گر جاتا ہے کہ میرا کچھ نہیں ہے، سب آپ کا ہے، اپنے عجز و مسکنت، اپنی عبدیت و بندگی کو اس طریقہ سے پیش کر کر کے جو ثابت کر رہا ہے کہ خدا ہی کے لئے وہ بنایا گیا ہے۔

میں پوچھتا ہوں کہ عبدیت و بندگی کا یہ قالب خدا کی خدائی اور اس کے جلال و جبروت کے آئینہ بننے کا قرار واقعی طور پر مستحق ہو سکتا ہے، یا بجائے اس کے آدمی کو فرشتہ اور ملک بنانے کے لئے جن جن کر ان خصوصیتوں سے محروم کیا جاتے جو اس کے عہدۂ خلافت کے لازمی اقتضارات میں، کائنات میں جو کچھ ہے اس کے متعلق پھیلا یا جائے کہ ان کو اپنے زیر اقتدار لانے، اور اپنی تسخیری قوتوں کی آماجگاہ بنانے کی جگہ چاہیئے کہ جس حد تک ان چیزوں سے آدمی بھاگ سکتا ہو بھاگے، اور اسی بنیاد پر پانی بھی اس کے منہ سے چھینا جائے، کھانا بھی چھینا جائے، کپڑے بھی اتار لئے جائیں، حتیٰ کہ ناک بند کر کے حکم دیا جائے کہ سانس لینے میں بھی جہاں تک ممکن ہو، ہوا سے پرہیز ہی کرنے کی کوشش کرے، اور یوں فرشتہ نہ سہی آدمی کو فرشتہ نما بنا کر "روحانیت" اور "رہبانیت" کے مسلک میں جو یہ سمجھایا جاتا ہے کہ یہی فرشتہ نما آدمی، خدا کے لئے پیدا کیا گیا ہے؟

وہی عامیانہ مثال کہ ننگی کیا نہائے گی کیا نچوڑے گی؟ اب اس کے بعد باقی ہی کیا رہا جسے خدا کے سامنے لیکر وہ آیا ہے، اللہ اللہ سب سے اونچا، سب سے بلند، سب کا آقا یعنی خدا کا خلیفہ بن کر خدا کے سامنے جو جھک جاتا ہے، تو واقعہ یہ ہے کہ تنہا وہی نہیں جھکا وہ سب جو اس کے زیر اقتدار و اختیار ہیں وہ بھی جھک جاتے ہیں، زمین بھی جھکتی ہے، آسمان بھی جھکتا ہے، شجر بھی، حجر بھی، بحر بھی، بر بھی، جمادات بھی، نباتات بھی، عناصر بھی مرکبات بھی، سفلیات بھی علویات بھی، سب ہی جھک جاتے ہیں۔

اور میں تو سمجھتا ہوں کہ الانسان کے خلافتی پہلو کے راز کا افشا کرتے ہوئے قرآن میں جو اس کا تذکرہ کیا گیا ہے

کہ ملائکہ یعنی فرشتوں کو خدا نے اس خلیفہ انسان کے آگے جھکنے کا حکم دیا اور اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے

فَسَجَدَ الْمَلٰئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ — سب کے سب جتنے فرشتے تھے اُنھوں نے آدم کے آگے وہ سربسجود ہوگئے

کی اطلاع جو دی گئی ہے، جہاں اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ عالم محسوس کے مختلف طبقات و انواع کے نظم و ضبط کا تعلق غیب کی جن زندہ ہستیوں سے ہے ان ہی ملائکہ کو جھکا کر یہ بتایا جا رہا تھا کہ سارے عالم پر اقتدار قائم کرنے کی اور اُن کو مسخر کرکے اپنے قابو میں لانے کی صلاحیت انسان میں رکھی گئی ہے، کچھ تعجب نہیں کہ اسی کے ساتھ "الانسان" کو ملک یا فرشتہ بنا کر خدا کے سامنے پیش کرنے کا جو مغالطہ آئندہ پیدا ہونے والا تھا، اس مغالطہ کا ازالہ شروع ہی میں کر دیا گیا تھا۔ اسلامی حقائق کے عصری ترجمان کا مشہور زبان زد شعر

در دشتِ جنونِ من جبرئیل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

میں اسی حقیقت کی طرف شاعرانہ رنگ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام سے بھی جب بنی اسرائیل نے یہ خواہش کی کہ دوسری قوموں نے "مخلوقات" کو جیسے اپنا معبود بنا رکھا ہے، ہمارے لئے بھی کچھ اسی قسم کے "آلہ" یا "معبودوں" کو نامزد کر دیجئے، تو جھنجھلا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی رسوم پرست تقلیدی اُمت کو سمجھایا تھا، قرآن میں اُن کا یہ تاریخی فقرہ اب تک محفوظ ہے، ارشاد ہوا تھا۔

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ — موسیٰ نے کہا کیا اللہ (یعنی خالق کائنات) کے سوا تمہارے لئے میں کوئی دوسرا پرورش کرنے والا پروردگار ڈھونڈوں، حالانکہ اس نے ہمارے عالمین (مخلوقات) پر تمہیں برتری عطا فرمائی ہے۔

اور سچ تو یہ ہے کہ فرشتہ ہی بنا کر آدمی کو خدا کے سامنے جھکانا مقصود تھا تو بقول ان ہی فرشتوں کے ایک نئی مخلوق (الانسان) کے پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ انھوں نے کہا تھا کہ آپ کی تسبیح و تقدیس کے لئے کیا ہم کافی نہیں ہیں؟ اور ملائکہ ہی کیا صرف "جھکنے" اور "بندگی" و عبدیت کے لحاظ سے دیکھا جائے۔ تو جیسا کہ قرآن ہی میں فرمایا گیا ہے۔

وَلِلّٰهِ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — آسمان و زمین میں جو کچھ بھی ہے سب اس کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔

اسی مضمون کو دوسری جگہ ذرا تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

الم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السموات	کیا تو نہیں دیکھتا کہ خدا کے آگے سجدہ ریز ہیں نہ ساری چیزیں
ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم	جو آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہے سورج بھی چاند بھی
والجبال والشجر والدواب (الحج)	تارے بھی، پہاڑ بھی، درخت بھی، رینگنے والے سارے جانور بھی۔

پھر سارے خلافتی کمالات وخصوصیات سے پر تیبنچ کر کے غریب آدمی کو لنڈ منڈ فرشتہ بنا کر خدا کے سامنے ہم لائے بھی تو کیا بڑا سوغات اور کون سا نادر الوجود تحفہ لاتے؟ اس کے تماشوں سے تو سارا عالم ہی بھرا ہوا تھا۔

ہاں! "سب کچھ" رکھتے ہوئے، "کچھ نہیں" بن کر خدا کے سامنے کھڑا ہو جانا سب سے اونچے ہونے کے بعد اپنے آپ کو خدا کے آگے سب سے نیچا بنا کر پیش کرنا، خدا کی خدائی، اور اس کے جاہ وجلال، اس کی لاہوتی شوکت وسطوت کی تجلی و نمائش کا یہی واحد "آئینہ" ہے جو صرف آدمی کو دیا گیا ہے۔ اسی "آئینہ" کو لے کر خدا کے سامنے جب وہ حاضر ہوتا ہے، تو اس میں جیسا کہ چاہئے، خدا کی تجلیاں تڑپ اٹھتی ہیں۔ آخر جس کے جھکنے کے ساتھ ہی ساری کائنات ہی جھک جاتی ہو، اس تماشے کو آپ ہی بتائیے خدا کے اس خلیفہ انسان کے سوا اور پیش ہی کون کر سکتا ہے [۵۱]

میں جو یہ وعدہ کرتا چلا آرہا تھا کہ آدمی کو خدا نے صرف اپنے لئے پیدا کیا ہے، اس کا مطلب آئندہ بیان کروں گا، میں خیال کرتا ہوں وہ مطلب انشاء اللہ ادا ہو گیا۔ اور وعدہ بھی پورا ہو گیا، مقصد یہی ہے کہ جھکنے کے لئے تو آدمی بھی اسی طرح پیدا کیا گیا ہے، جیسے سب پیدا ہونے والی مخلوقات اپنے خالق کے آگے جھکی ہوئی ہیں۔

---

۵۱ سب کچھ رکھتے ہوئے "میرا کچھ نہیں ہے" اس کا اعتراف واقعہ کا اعتراف ہے، لیکن خدا جس میں جو کچھ ہے سب اپنا ہے کسی غیر سے اس کو کچھ نہیں ملا بلکہ غیروں کو جو کچھ ملا ہے اسی سے ملا ہے ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ سب کچھ رکھتے ہوئے اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنے اور کچھ نہ بنا لینے کے فیصلہ کی گنجائش خدا میں بھی کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ کہنے والوں نے اگر کہا ہے کہ خدا کے خدائی کی تجلی و نمائش کا جو آئینہ آدمی کے پاس ہے خدا کے پاس بھی یہ آئینہ نہیں ہے غالباً اس کا مطلب یہی ہے یہ تو بے چارا آدمی ہے کہ خلیفہ بن کر پیدا ہوا اور بندہ بن کر رہتا ہے سب کچھ رکھتے ہوئے تھوڑے تھوڑے تحفے خدا کے قدموں پر یہ کہتے ہوئے گرتا ہے کہ ہمارا کچھ نہیں ہے سب آپ کا ہے ؎

نہ بچا بچا کے تو رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ　　کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

ڈاکٹر اقبال کے شعر کا یہی مطلب ہے۔

لیکن ایسا جھکنے والا جس کے آگے سب جھکائے گئے ہیں، یہی وہ الانسان خلیفہ ہے، اپنے آپ کو چھوٹا اور نیچا بنا کر آدمی بھی خالق کے آگے پیش ہوتا ہے، لیکن اس کی یہ خصوصیت ہے کہ مخلوقات میں سب سے بڑا بننے کے بعد یہ چھوٹا بنتا ہے، سب سے اونچا ہونے کے بعد اپنے آپ کو نیچا بنا کر اپنے مالک کے قدموں پر گراتا ہے، اس کو اختیار دیا گیا ہے، اور کیسا اختیار ؟ کہ جس نے اس کو پیدا کیا ہے۔ سب کچھ بخشا ہے، چاہے تو اس کی مرضی پر چلے بھی، اور نہ چاہے تو اس کی مرضی سے وہ ٹکرا بھی سکتا ہے ؟ حد ہے اس کے اقتداری دائرے کی اس وسعت اور خود مختارانہ مطلق العنانی کی ؟ ان میں کتنے ہیں جن کی ساری زندگی اپنے خالق کی مرضیات سے ٹکرانے اور مالک کے احکام کے ٹھکرانے ہی میں گذرتی ہے۔

خلیفہ بن کر جینے میں اور بندہ بن کر مرنے کا اُن سے جو مطالبہ اُن کے خالق نے کیا ہے، اس مطالبہ کو ٹھکرا دیتے ہیں یہی نماردہ، فراعنہ، جبابرہ، دجاجلہ کا طبقہ اور اُن کی ذریت ان کے چیلے چانٹے ہیں، ان کی ساری زندگی اپنے پیدا کرنے والے کے ساتھ جنگ اور تصادم میں گذرتی ہے، یہ بنی آدم کے وہ چوہے ہیں، جو پنساری کی دوکان کے سامانوں کو دیکھ دیکھ اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتا رہتا ہے، ان ہی کے سامنے زندگی ہی ایک ایسے دور کو لے آتی ہے جس میں وہ پاتے ہیں کہ ان کے خالق کا ہر ارادہ اور اس کا ہر قانون ان کی ہر خواہش اور ارادہ سے ٹکرا رہا ہے ٹکرانے والوں کی زندگی کا یہی تجربہ، مذہبی زبانوں میں جہنم، دوزخ، نرکھ وغیرہ کے ناموں سے مشہور ہے۔ لیکن سب کچھ رکھتے ہوئے جو واقعہ اس کے اعتراف کو اپنی زندگی کا اٹل اور غیر متزلزل فیصلہ بنا کر جیتے ہیں کہ "درحقیقت ہمارا کچھ نہیں ہے" اسی بنیاد پر اپنے اختیار و اقتدار کو ان ہی حدود تک محدود رکھنے میں پختہ عزم سے کام لیتے ہیں، جن پر اختیار و اقتدار کا بخشنے والا اُن کو رکا اور ٹھہرا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔ یعنی خدا سے ٹکرانے، اور اس کے احکام و فرامین کے ٹھکرانے کی جگہ کوشش کرتے ہیں کہ اس کی مرضی کے مطابق جئیں بھی، اور اسی حال میں مریں بھی۔ یہی وہ لوگ ہیں، جو انسانی وجود کے قدرتی نصب العین یعنی

خدا نے آدمی کو اپنے لئے بنایا ہے۔

اسی نصب العین کی تکمیل کر کے مرتے ہیں، نبوات و رسالات کی بنائی ہوئی راہوں پر وہ چل رہے ہیں حضرات انبیاء و رسل علیہم السّلام کی یہ اُمتیں ہیں، ظاہر ہے کہ تو افق کی یہ زندگی، ان کے سامنے اس حال کو اگر لاتی ہے کہ خدا اور اس کے سارے قوانین ان کی ہر خواہش اور ارادے کے مطابق ہے جو کچھ وہ چاہتے ہیں خدا وہی ان کے لئے کرتا رہتا ہے تو سوچنا چاہیئے کہ اس کے سوا اور ہوتا کیا۔

بہرحال سب کچھ ہوتے ہوئے کچھ نہیں بن کر کھڑا ہوجانا، جہاں رُکنے کے لئے کہا جائے رُک جانا اور ٹھہرنے کا حکم دیا جائے ٹھہر جانا، اپنی بندگی و عبدیت، مسکنت و ذلت، فقر و احتیاج عجز و نیاز کے اس آئینہ کو لے کر جو اپنے خدا کے سامنے لے کر بیٹھتا ہے، جو اس کا واحد ذاتی سرمایہ ہے، ایسا ذاتی سرمایہ، عرض ہی کر چکا ہوں کہ خدا کے پاس بھی جو نہیں ہے تو خدا بھی اپنے ذاتی سرمایہ یعنی قوت و قدرت کے ساتھ اس کی طرف اگر متوجہ ہو تو اس کے سوا آخر دوسرا احتمال ہی کیا ہے؟ آخر لے دے کر حاصل یہی تو ہوا کہ بندہ خدا کے آگے اپنی عاجزی میں عاجزی کا اضافہ کرتا چلا جاتا ہے اور خدا بندے میں اپنی قوت و قدرت کو بھرتا چلا جاتا ہے بقول مولینا روم ع چوں از وگشتی ہمہ چیز از تو گشت ۔ من لہ المولی فلہ الکل۔

عملی زندگی کے اسلامی نظام کے متعلق میں نے جو یہ عرض کیا تھا کہ اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجود اور ہستی کا سارا نظام ہی ایک ایسے کامل اور مکمل دائرے کی شکل میں ہمارے سامنے گھوم رہا ہے جس کے مختلف حصوں میں "مادیت" و "روحانیت" اپنے اپنے طبعی مقام پر نظر آتی ہیں کہ فٹ ہوگئی ہیں آخر اب تک جو کچھ عرض کر چکا ہوں، آپ نے غور سے اس کو اگر پڑھا اور سمجھ لیا ہے، تو انسانی زندگی کے اسلامی نظام، اور اس کے نتائج کا حاصل مختصر لفظوں میں یہی تو ہوا کہ ۔

"یہاں جو کچھ ہے سب کو خدا نے انسان کے لئے پیدا کیا ہے، اور انسان چونکہ براہ راست خالق کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس لئے اس کا فرض قرار دیا گیا ہے کہ انفرادی یا اجتماعی جس رنگ میں بھی انسانیت پائی جائے اس کے تکریمی و احترامی حقوق کو ادا کرتے ہوئے اپنے آپ کو خدا کے لئے بناتا چلا جائے تب وہ پائے گا کہ خدا بھی اس کے لئے بنا ہوا ہے اسی سے ہم آہنگی اور توافق کا طبعی دائرہ بن جاتا ہے۔ لیکن خدا کے لئے اپنے آپ کو انسان اگر نہ بنائے، بلکہ تصادم و تخالف اور ٹکراؤ ہی کے مشغلوں میں زندگی گذار کر مرے گا تو خدا، خدا کے ارادے خدا کے قوانین کو بھی پائے گا کہ اس کے ہر ارادہ، اور اس کی ہر خواہش سے ٹکرا رہے ہیں اسی سے تصادم و تخالف کا غیر طبعی دائرہ بنتا ہے، گویا ایک ہی قوسی ساق سے طبعی اور غیر طبعی دو کامل دائرے بن جاتے ہیں[1]"

[1] جس کی تصویر کوئی کھینچنا چاہے تو اشارے کے لئے ایک ہی قوسی ساق ا ۔ ب سے تعبیر ہوتے دو دائروں کا خاکہ اس (باقی آئندہ صفحہ پر)

ان دونوں دائروں میں تخالف و تصادم سے پیدا ہونے والا دائرہ اس لئے غیر طبعی ہے کہ پیدا کرنے والے نے آدمی کو جس فطرت و نہاد پر پیدا کیا ہے اسی فطرت کے قدرتی اور جبلّی اقتضاؤں سے بغاوت و سرکشی پر اس کی بنیاد قائم ہے، اس کے مقابلہ میں ہم آہنگی اور توافق کا دائرہ جس کا نام میں نے "دائرۃ الایمان" یا "دھرم چکر" رکھ دیا ہے، چونکہ انسانی فطرت کے جبلّی اقتضاؤں کے محور پر وہ گھومتا ہے، اس لئے ایمانی دائرہ فطری اور طبعی دائرہ ہے۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس ایمانی دائرہ کا ایک حصّہ تو بجنسہٖ وہی ہے جو مادّیت کے مسلک میں مانا اور کیا جاتا ہے میں بھی کہہ چکا ہوں اور اس سے کون ناواقف ہے کہ عملی زندگی کے اسلامی نظام میں کائناتی پیداواروں سے استفادے کو، آدمی کا پیدائشی اور قدرتی حق قرار دیتے ہوئے طبائع اور ظروف کی پستی و بلندی، تنگی و فراخی کے لحاظ سے مادّی زندگی کے زیر اثر انسانیت کے لئے جو کچھ کیا جاتا ہے یعنی شخصی زندگی سے شروع کر کے خاندانی، قومی، عام بنی نوع انسان کی ذمہ داریاں

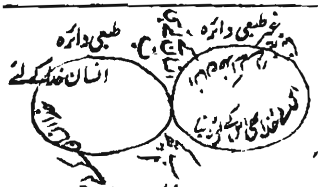

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳) طرح سے بنا لے سکتا ہے یعنی الف ب اسی بنیاد کی قوسی ساق فرض کیجئے اور اسی بنیاد کو بنا کر دو متوازی دائرے اس طریقہ سے بنا لیجئے۔

یوں اب سمجھ میں آگیا ہوگا کہ اب تک وجود کے یہ دونوں دائرے کس طرح گھومتے رہتے ہیں۔ ان دونوں دائروں میں توافق کا دائرہ تو طبعی دائرہ ہے کہ ہستی کا یہ نظام اسی مقصد کے لئے قائم ہوا ہے لیکن خلافتی اقتدار و اختیار کی قوتوں کے غلط استعمال سے تخالف و تضاد سے غیر طبعی دائرہ بھی بن جاتا ہے، فساد و خون ریزی کا جو الزام فرشتوں نے آدم کو خلیفہ بنانے کے موقعہ پر لگایا تھا، بظاہر اس کا اشارہ خلافت کے اقتدار و اختیار کے اسی غلط استعمال کی طرف تھا، جس کا جواب دیتے ہوئے دکھایا گیا ہے کہ خدا سے علم و آگہی حاصل کرنے کی فطری صلاحیت آدمی میں پائی جاتی ہے، اس علم و آگہی کے مطابق زندگی گذارنے کی جو کوشش کرے گا وہ استعمال کی اس غلطی سے محفوظ ہو جائے گا، غلطی کرے گا بھی تو پھر اپنے آپ کو درست بھی کرے گا حضرات انبیاء و رسل علیہم السّلام تو براہ راست اس علم و آگہی کو خدا سے حاصل کرتے ہیں اور ان پر ایمان لانے والوں تک یہی علم الٰہی یعنی خدا کے مرضیات کا علم جسے دین و مذہب کہتے ہیں پہونچتا ہے، انجانی باتوں کو نہ جاننے کی قابلیت و استعداد آدمی ہی کی فطرت میں ہے شاید اس کی اسی فطری خصوصیت کو یہاں بھی نمایاں کیا گیا ہے۔ سورہ اقرء میں انسانی فطرت کی اس خصوصیت کی طرف علم الانسان مالم یعلم کے الفاظ سے اشارہ کیا گیا ہے۔ تفصیل کے لئے میری دوسری کتابوں کا مطالعہ کیجئے۔

توافق و تخالف کے ان ہی دونوں دائروں کو جس کے لئے اتنی غیر معمولی طول بیانی سے مجھے کام لینا پڑا مولانا روم نے (باقی آئندہ صفحہ پر)

مادیت میں جو بیدار ہوتی ہیں اسلامی نظامِ زندگی میں سب ہی شریک اور داخل ہیں، ہم ان میں سے ہر ہر ذمہ داری پر مستقل ابواب میں انشاءاللہ تعالیٰ اگر اجلِ مسمّی نے فرصت دی تفصیلی بحث کریں گے اور ہر ہر باب کے قوانین و دفعات جو اسلامی فقہ کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں اللہ نے چاہا تو آپ کے آگے رکھے جائیں گے۔

بہرحال یہاں تک تو "دائرۃ الایمان" میں وہ سب کچھ آجاتا ہے جو "مسلک مادیت" میں سوچا اور کہا جاتا ہے لیکن توافق کا یہ ایمانی دائرہ اسی نقطہ پر ختم نہیں ہوجاتا ہے بلکہ خود انسان کو خدا کے لئے قرار دیتے ہوئے "روحانیت" کو بھی اسی دائرے میں سمو دیا گیا اور اس کے قوامِ حقیقت میں داخل کر دیا گیا ہے، بلکہ عرض کرچکا ہوں کہ اسلامیت کا بنیادی پتھر اسی واقعہ کو یعنی آدمی خدا کے لئے پیدا ہوا ہے، اسی کو ٹھہرایا گیا ہے، بار بار دہرا چکا ہوں کہ نبوات و رسالات کی تاریخ کی پیشانیوں کا سب سے پہلا امتیازی طغرا

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ لوگو اللہ ہی کو پوجو تمہارا الٰہ و معبود اس کے سوا کوئی نہیں ہے

ہی کو قرآن میں بتایا گیا ہے، اسلامی زندگی کا سارا فلسفہ اسی پر مبنی ہے۔ اس وقت بھی جن چیزوں سے آدمی مستفید ہو رہا ہے اور آئندہ جو کچھ بھی اس کے سامنے پیش آئے گا، تفصیل بتا چکا ہوں کہ ان ساری باتوں کا دار و مدار اسی پر ہے کہ خالقِ کائنات کو اپنا الٰہ و معبود آدمی بناتا ہے یا نہیں، یہی ایمانی دائرہ کی روح ہے، یہ ہے تو سب کچھ ہے اور یہ نہیں ہے، تو کچھ نہیں ہے۔ "دائرۃ الایمان" میں "روحانیت" کے اس عنصر کو جس طریقہ سے شریک کیا گیا ہے، اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی نظامِ زندگی کے تحت جو قدم بھی آدمی کا اٹھتا ہے خدا ہی کے لئے اٹھتا ہے، اس سلسلہ میں انفرادی اور اجتماعی کسی حیثیت سے جو کچھ انسانیت کے لئے کیا جاتا ہے، آدمی خود اپنی ذات کے لئے، اپنے خاندان کے لئے، اپنی قوم کے لئے، اپنے ابناءِ جنس کے لئے بڑا یا چھوٹا جو کام بھی انجام دیتا ہے چونکہ اسی لئے انجام دیتا ہے کہ خدا ہی نے اس کا حکم دیا ہے، قدرتاً اسی کا منطقی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: صرف ایک شعر بلکہ ایک ہی مصرعہ میں خلاصہ کر دیا ہے، یعنی وہی مصرعہ ع چوں از وگشتی ہمہ چیز از تو گشت۔ ایک دفعہ اسی مصرعہ کو پڑھئے "از وگشتن" کے معنے بیزار ہونا لیجئے۔ پھر پڑھیے اور پھر "تا گشتن" کا ترجمہ کیجئے۔ سب کچھ اسی ایک مصرعہ میں آگیا۔ یعنی آدمی جب خدا کے لئے ہو جاتا ہے تو خدا بھی اس کے لئے ہو جاتا ہے، آدمی جب خدا سے پھر جاتا ہے خدا بھی اس سے پھر جاتا ہے اَلْجَنَّةُ وَالنَّارُ اسی کا نام ہے ۱۲

نتیجہ یہ ہے کہ خدا سے اجر و صلہ کا جائز استحقاق اسکو حاصل ہو جاتا ہے۔ آخر سب کچھ جو خدا کے لئے کر رہا ہے خدا سے جزا اور مزد پانے کا حق اس کو حاصل نہ ہوگا تو کیا مادی ذہنیت رکھنے والے اس کے مستحق ہو سکتے ہیں جن کے کسی عمل اور فعل کا رُخ خدا کی طرف نہ ہوتا ہے اور نہ اس رُخ کو وہ اپنے سامنے رکھنا چاہتے ہیں، یقیناً بڑے سے بڑا کام ہی مادی مسلک رکھنے والوں سے کیوں نہ بن آئے ایسا کام جس سے رہتی دنیا تک ہر متنفس کو فائدہ پہونچتا رہے، یا اس راہ میں بڑی سے بڑی قربانیاں ہی ان کی طرف سے کیوں پیش ہوئی ہوں جان تک کیوں نہ نچھاور کر دی گئی ہو، لیکن خدا کے لئے جو کام کیا ہی نہیں گیا ہے خدا سے اس کے اجر کی خود ہی سوچئے آخر کس بنیاد پر توقع کی جائے، بجائے خود مادی نقطۂ نظر والے عموماً اس کی توقع رکھتے بھی نہیں[۵]ان کے مسلک کا یہی تو جوہری نقص ہے کہ جو کچھ بھی وہ کرتے ہیں انجام اور نتیجہ کو سوچے بغیر کرتے ہیں، ان کی سرگرمیوں کو دیوانوں کا خواب اسی لئے تو میں کہتا چلا آرہا ہوں، جو بھی فکر معقول سے کام لے گا اس کا فیصلہ بھی یہی ہوگا کہ آخری نتیجہ فائنل رِیزلٹ مادی زندگی کا کچھ نہیں ہے۔

بہرحال بنی آدم کی عملی زندگی کا جو نظام نبوات و رسالات کی طرف سے عموماً پیش ہوتا رہا ہے، جس کی آخری تکمیل قالب کی طرف "الاسلام" کے نام سے آخری نبوت کی آخری کتاب میں دعوت دی گئی ہے، آپ نے دیکھ لیا کہ ایک کامل و مکمل دائرہ کی شکل میں ہستی کے پورے دائرے ہی کو سوچنے والوں کے آگے وہ پیش کر دیتا ہے، ایسا دائرہ جس میں کہیں خلا نہیں ہے، اس دائرہ کے جس حصہ اور جس نقطہ پر آپ انگلی رکھ دیں گے، آغاز کے ساتھ انجام کا یا ابتدا کے ساتھ انتہا کا نقطہ بھی وہ بن جائے گا اور جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا، وجود کے تینوں ارکان یعنی کائنات (یا مادی اور انسانی مخلوقات) انسان، خالق (خدا) ان تینوں کے متعلق کس لئے کا سوال اٹھا کر دیکھئے اس ایمانی دائرہ یا دائرۃ الایمان میں ہر ایک کا جواب ملتا چلا جائے گا۔ پوچھئے کائنات کس لئے ہے؟ اسی دائرہ میں آپکو اس کا جواب مل جائے گا کہ انسان کے لئے ہے، انسان کس لئے ہے؟ خدا کے لئے اس کا جواب جہاں آپ کے سامنے آئے گا، وہیں اٹھانے والا اگر اس

---

[۵] ہاں ان میں کبھی کبھی ایسے افراد بھی پائے جاتے ہیں جو خدا کے مرضیات سے واقف ہونے کے قدرتی ذرائع یعنی نبوت و رسالت سے بے تعلق رہنے کے باوجود اپنے خود آفریدہ وسوسوں کو خدا کی مرضی ٹھہرا کر باور کر لیتے ہیں کہ ہم خدا ہی کی مرضی کی تعمیل کر رہے ہیں حالانکہ درحقیقت خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں، خدا سے علم پائے بغیر خدا پر افترا کرتے ہیں ۱۲۔

سوال کو اُٹھائے کہ پھر خدا کس لئے ہے؟ تو اسی دائرہ میں دیکھئے اس سوال کا جواب بھی اس دائرہ میں موجود ہے، یعنی خدا انسان کے لئے ہے بایں معنی کہ انسان اپنے آپ کو جب خدا کے لئے بناتا ہے تو خدا بھی اس کے لئے بن جاتا ہے وہ پاتا ہے کہ خدا، خدا کا ارادہ، خدا کے قوانین اس کی ہر خواہش اور اس کی ہر مرضی کی ہمنوائی کر رہے ہیں، وہی ہو رہا ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے، بہشتی ماحول کی حقیقت یہی ہے۔

لیکن انسانوں میں اپنے آپکو جو خدا کے لئے نہیں بناتے اور خدا کی مرضی کی پابندی اپنے لئے ضروری قرار نہیں دیتے، وہی پاتے ہیں کہ خدا بھی اُن کے لئے نہیں ہے، بلکہ جیسے عمر بھر وہ خدا کے مرضیات سے ٹکراتے رہے، دیکھتے ہیں کہ خدا کا ارادہ اور خدا کے قوانین بھی اس سے ٹکرا رہے ہیں، جہنمی ماحول میں اسی تصادم اور ٹکراؤ کا تجربہ کرایا جائے گا۔

الغرض یوں ہستی کا یہ سارا نظام ایک جیتے جاگتے ابدی نہ ختم ہونے والے روشن نظام کا قالب اختیار کر لیتا ہے۔ اس سلسلہ کے کسی سوال کا کوئی پہلو تشنہ نہیں رہ جاتا" مادیت" اور" روحانیت" عملی زندگی کے ان دونوں نظاموں میں جو نقص اور کمی پائی جاتی تھی، اسلامی نظام زندگی میں ان ساری کوتاہیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے اور یہی میں عرض کرنا چاہتا تھا، گو بہت زیادہ غیر ضروری طول بیانی سے کام لینا پڑا۔ ایک ہی مسئلہ کو بار بار مختلف پیرایوں میں پیش کرنے کی ضرورت ہوئی، ممکن ہے میرا خیال غلط ہو، لیکن خیال یہی رہا کہ اگر تکرار و اعادہ سے کام نہ لیا جائے گا تو جو کچھ کہنا چاہتا ہوں شاید اس کے ذہن نشین کرانے میں ناکام رہ جاتا، آخر پڑھنے والوں میں سب ہی طرح کے لوگ ہوتے ہیں ارباب فہم و دانش جن کے لئے چند اشارے کافی ہوتے ہیں ان کے سوا بھی تو کافی تعداد ان لوگوں کی پائی جاتی ہے جن کے متعلق مجھے تو اب بھی اندیشہ ہے کہ ہذیان یا مجذوب کی بڑ سے زیادہ میری باتوں کی وقعت انکی نگاہوں میں نہیں ہوگی اب کچھ بھی ہوا اپنی حد تک جس طریقہ سے تکرار و اعادہ کی وجہ سے اپنے خیالات کو ادا کر سکتا تھا میں نے ادا کر دیا ہے۔ گرانی محسوس کرنے والوں سے معافی کا خواستگار ہوں اور میرے منشا کے سمجھنے سے اب بھی اپنے آپ کو جو معذور پا رہے ہوں، ان سے بھی یہی التماس ہے کہ ذرا زیادہ فکر و تامل سے کام لیں، شرح صدر کی خدا سے دعا کریں، ممکن ہے جو کچھ میری سمجھ میں آیا ہے وہی ان کی سمجھ میں بھی آجائے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

آخر میں "عملی زندگی کے اسلامی نظام" کے متعلق ایک وسوسہ کا ازالہ بھی دل چاہتا ہے کہ کر لیا جائے۔ اس وسوسہ کا تعلق "روحانیت" کے جز سے ہے جسے اسلام نے اپنے پروگرام میں داخل ہی نہیں کر دیا ہے بلکہ آپ دیکھ

چلئے کہ اسی کو خشتِ اول اور سنگِ بنیاد بنا کر اسلام کے عملی نظام کی پوری عمارت کھڑی کی گئی ہے، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اسلام کی طویل و عریض تاریخ میں ایک طبقہ "صوفیہ" کے نام سے جو پایا جاتا ہے دینی زندگی کے اس خاص طریقہ کی تعبیر تصوّف سے عموماً لوگ کرتے ہیں، بظاہر شُبہ ہوتا ہے کہ اس طبقہ نے مسلمانوں کے اندر بھی وہی فرشتہ یا ملک بنانے والی روحانیت کو گھستے کا صرف موقعہ ہی نہیں دیا، بلکہ عام مسلمانوں کے قلوب اسی طبقہ کے وزن سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں، گویا دین کی معیاری زندگی کا نمونہ سمجھا جاتا ہے کہ صوفیہ صافیہ ہی کی دینی زندگی ہے۔

"روحانیت" کا تذکرہ جن الفاظ میں اب تک میں نے کیا ہے ممکن ہے کہ مجھے ان لوگوں میں شمار کر لیا جائے جو مسلمانوں کے طبقۂ صوفیہ سے خوش نہیں ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ تصوف کی جتنی مستند کتابیں اب تک میری نظر سے گذری ہیں یا صوفیہ کے اساطین و سربرآوردہ بزرگوں کے حالات کتابوں میں جس حد تک پڑھ سکا ہوں، یا خود میری نظروں سے اس سلسلہ میں جو مثالی ہستیاں گذری ہیں ان سب کو پیش نظر رکھتے ہوئے بآسانی دعویٰ کر سکتا ہوں کہ صحیح اسلامی تصوّف کی بنیاد آدمی کو فرشتہ یا ملک بنانے کی کوششوں پر قطعاً مبنی نہیں ہے، بلکہ برعکس اس کے میں تو یہی جانتا ہوں کہ ہمارے یہ صوفیہ آدمی کو ہر حال اور زندگی کی ہر منزل میں آدمی ہی تسلیم کرتے چلے آئے ہیں، ان کے نزدیک اس پست خاکی زندگی میں بھی انسان انسان ہی رہتا ہے اور اس کے بعد زندگی کے جن اطوار و ادوار میں وہ داخل ہوتا ہے انسان ہی بنا ہوا داخل ہوتا ہے، اس قسم کے بے بنیاد خیالات کہ بلند ہوتے ہوئے آدمی فرشتہ یا العیاذ باللہ خدا بن جاتا ہے[۱] یا پستی کے گڑھوں میں گرتے ہوئے گھوڑے، ہاتھی، بیل اور چوہے، چھپکلیوں، یا گرگٹوں وغیرہ کا قالب اختیار کر لیتا ہے میں نہیں جانتا کہ مسلمانوں کے کسی مستند صوفی یا قابلِ اعتبار کتاب میں اس قسم کے خرافات پائے جاتے ہوں۔

میرے نزدیک ہر مسلمان صوفی کے نزدیک جنّتی اور جہنّمی زندگی کے ان دونوں رنگوں میں بھی آدمی آدمی ہی رہتا ہے۔ سکھ یا دکھ کے جو تجربے بھی ان زندگیوں میں پیش آئیں گے وہ انسان کے فطری مزاج کے مطابق ہی پیش آئیں گے

---

[۱] جیسا کہ بعض مذاہب و ادیان میں فنائی الاصل کا مفروضہ فرض کر کے یہی مانا جاتا ہے کہ ملک یا فرشتہ ہونے کے بعد آدمی خدا کی ذات میں محو ہو کر خدا ہی بن جاتا ہے ان نتائج کی توقع ان لوگوں کو دلائی جاتی ہے جو اپنے آپ کو خدا کے لئے بناتے ہیں اسی طرح خدا کی مرضی سے ٹکرانے والوں کو تناسخ کی شکل میں گھوڑے، گدھے، ہاتھی بیل وغیرہ کے جون میں جنم لینا پڑتا ہے۔ ۱۲

یہی وجہ ہے کہ مسلمان صوفیوں کی پوری تاریخ روحانیت یا رہبانیت وجوگیت کی ان انسانیت سوز، آدمیت گداز، مہیب ریاضتوں کے ذکر سے خالی نظر آتی ہے، جن کے قصے سن سن کر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ روحانیت کے غیر اسلامی طریقوں میں انسانیت ہی کو لعنت کا طوق ٹھہراتے ہوئے یہ چاہا جاتا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس پھٹکار سے نجات حاصل کر کے اپنے آپ کو فرشتہ بنا لیا جائے، بنی نوع انسانی کے نوعی تقاضوں سے خالی ہونے کے لئے سنا جاتا ہے کہ سکھانے والے اپنے ہاتھوں اور ٹانگوں کو سکھا دیا کرتے تھے بلکہ برفستانوں میں بھٹکتے ہوئے چٹانوں سے سر ٹپکتے ہوئے بھی ان لوگوں کو دیکھا گیا ہے۔ جو آدمی کے گندے، نجس، ناپاک قالب سے گلو خلاصی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اپنے آپ کو وہ کبھی آگ میں جھونک دیتے تھے، پہاڑوں سے گراتے تھے، دریاؤں میں بہاتے تھے، چوبیس گھنٹہ فطرت انسانی کے سارے جبلّی اقتضاؤں پر پہرے بٹھائے رکھتے تھے، پانی کو پیتے بھی تھے تو ہمیشہ گرم کر کے اور کھانے کے زہر مار کرنے پر مجبور ہوتے تھے تو اس میں ریت اور بالو اور ایسی چیزیں ملا دیتے تھے جن سے آدمی کی قوت ذائقہ کو سخت اذیت ہوتی تھی، جنسی میلانات کو اپنے اندر سے مٹانے کے لئے طرح طرح کی غیر فطری تدبیریں ان میں مروج تھیں۔ الغرض فرشتہ کو اپنے اندر سے پیدا کرنے کے لئے ساری انسانی خصوصیتوں کو زندگی بھر کچلتے اور انکو دلتے رہنا اسی کو "روحانیت" کے بڑھانے کا واحد ذریعہ انھوں نے بنا رکھا تھا

ظاہر ہے کہ "روحانیت" یا رہبانیت وجوگیت کا یہ عجیب و غریب مسلک اور طریقہ کار جس کے اندر انسان کی انسانیت ہی ملعون ٹھہرا دی گئی ہو۔ سب سے بڑی کامیابی اسی لعنت سے نجات پانی کو سمجھا جاتا ہو۔ اس مسلک کی گنجائش اسلامی نظام ذاتی عملی زندگی میں بھی بھلا کیا نکل سکتی ہے۔ جس میں جو کچھ بھی کیا جاتا ہے آدم کو خدا کا خلیفہ اور اس کی خدائی کا نمائندہ مان کر کیا جاتا ہے۔ وہی خلیفہ جس کے آگے ملائکہ کو بھی سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔

ہاں! فرشتہ نہیں بلکہ اپنے آپ کو عبد و بندہ بنا کر دکھانے اور اس حقیقت کے اعتراف کے لئے انسانی خلیفہ کے پاس جو کچھ بھی ہے اس کا اپنا خانہ زاد کوئی ذاتی سرمایہ نہیں ہے بلکہ اسی کا ہے جس نے اس کو اپنا خلیفہ بنایا اور خلیفہ بنانے کے لئے یہ سب کچھ دیا ہے دل کا یہ اقرار و اعتراف صادق ہے یا کاذب اس کی جانچ کے لئے ظاہر ہے کہ اسلامی نظام کے عملی مطالبات ہی کافی ہیں

نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ — روکا نفس کو "الھوی" سے

تو کھلا ہوا قرآنی ضابطہ ہے خواہشوں کا وہ زور جو اسلام کے عملی نظام نامہ کے نشان زدہ حدود کے توڑ دینے، اور

پہچانے جانے پر آدمی کو اُکساتا اور اُبھارتا ہے ہوی خواہشوں کے اسی زور کا تو نام ہے، باقی ایسی باتیں جن میں آزادی بخشی گئی ہے یعنی جائز اور مباح امور جن کے کرنے والوں پر اسلامی حدود کے توڑنے کا الزام نہیں لگایا جا سکتا ان سے اپنے آپ کو جو روکتا ہے ظاہر ہے کہ خدا کے حکم کی نہیں بلکہ اپنے نفس کی خواہش کی یہ تعمیل ہے اسی لئے خدا کے پاس مباح اور جائز چیزوں سے پرہیز پر کسی اجر کی اُمید بھی نہ رکھنی چاہیئے۔ ہمارے یاں کا کھلا ہوا فتویٰ یہ ہے کہ لذیذ غذائیں جن کے کھانے کی اسلام میں ممانعت پائی جاتی ہے

لا فضیلۃ فی الامتناع عن اکلہا — کسی قسم کی دینی برتری ان لوگوں کو حاصل نہیں ہوتی جو ان غذاؤں سے پرہیز کرتے ہیں۔
(احکام القرآن جصاص ص ۵ ج ۲)

خود قرآن ہی میں فرمایا گیا ہے۔

لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ (التحریم) — جس چیز کو اللہ نے حلال کیا ہے اُسے کیوں حرام کرتے ہو۔

اُن کو ڈانٹا گیا ہے جو زیب و زینت آرائش و آسائش کی چیزوں سے پرہیز کو دین کی معیاری زندگی کے لوازم میں شمار کرتے تھے، ارشاد ہوا ہے

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰہِ الَّتِیْ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (الاعراف) — کہدو! کون ہے جو حرام ٹھہرا رہا ہے زیب و زینت کی ان چیزوں کو جنہیں اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے اور پاکیزہ غذاؤں کو

البتہ اتنی بات صحیح ہے کہ نفسیاتی امراض کے بعض روگیوں کے لئے بطور وقتی پرہیز کے یا خلافتی اقتدار و اختیار کو قابو میں رکھنے کے لئے بطور مشق کے کبھی اس راہ کے حاذق اطبا یا ماہر اساتذہ و شیوخ کچھ ایسی تدبیروں کی ہدایت کرتے ہیں جن کو دیکھ کر مغالطہ ہو سکتا ہے کہ جائز اور مباح چیزوں کے استعمال سے بھی لوگ روک دیئے گئے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ مرض کی وجہ سے پرہیز یا عادی بنانے اور مشق و ملکہ حاصل کرنے کے لئے کرنے والے جو کچھ کرتے ہیں انکی حیثیت دوامی ضوابط و قوانین کی نہیں ہوتی۔ اس باب میں انفرادی شخصیتوں کے لئے ماہرین کو الگ الگ تدبیریں جو تجویز کرنی پڑتی ہیں، اس کا راز یہی ہے کہ ان باتوں کی نوعیت قانون و ضابطہ کی نہیں بلکہ ایک وقتی مشورے کی ہوتی ہے افراد کے مرض کا جب ازالہ ہو جاتا ہے یا جس مشق و ملکہ کا پیدا کرنا مقصود تھا جب وہ بات حاصل ہو جاتی ہے، تو ان پابندیوں کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔ آپ مسلمانوں کے اساطین صوفیہ کے حالات کا مطالعہ کیجئے، بھلا

ان بزرگوں کو رہبانیت کے دنیا گریز رجحانوں سے کیا تعلق جن کے زیر اثر دنیا کی اکثر نعمتوں سے دلوں میں گونہ چڑ کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے[۵]۔

اس میں شک نہیں کہ فطرت کے احساسات اور جبلت کے تقاضوں سے گونگے بہرے بن جانے کی مشق و مزاولت کی وجہ سے ان لوگوں کو جو اپنی انسانیت کے شکم سے فرشتہ یا ملک کو پیدا کرنے کی جد و جہد میں مشغول ہوتے ہیں، کا[illegible]ی کا موقعہ مل جاتا ہے۔ ہر چیز سے جو اپنے آپ کو الگ کر چکا ہو۔ یک سوئی کا مسئلہ ظاہر ہے کہ اس کے لئے دشوار کیوں ہو، اسی یکسوئی کی مشق کی وجہ سے بعض غیر معمولی کارنامہ کی پوشیدہ قوتوں کو ابھار لینے میں بسا اوقات فرشتہ بننے والی روحانیت والوں کو حاصل ہو جاتی ہے، عوام کے قلوب میں جس کی وجہ سے ان کا کافی وقار اور وزن پیدا ہو جاتا ہو لیکن اسی کے ساتھ تجربہ نے ہمیشہ اس کو ثابت کیا ہے کہ خلیفہ بن کر بندے بن جانے یعنی سب کچھ رکھتے ہوئے اسی سب کچھ کو خدا کی مرضی کا تابع بنا لینے کی وجہ سے جب خدا اور اس کی قوتیں بندے کی ہم نوا بن جاتی ہیں، جو آثار و ثمرات و برکات اس راہ سے حاصل ہوتے ہیں ان کے مقابلے میں فرشتہ بنانے والی ریاضتوں اور مجاہدوں کے کارناموں کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہی ہے۔ اسلامی نظام زندگی کی دعوت دینے والے بزرگوں میں جن کو اس راہ کا سب سے پہلا داعی اور ہادی سمجھا جاتا ہے، یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی طرف بھی قرآن میں یہ فقرہ منسوب کیا گیا ہے

لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم [illegible] ولا اقول انی ملک (ھود)

میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتوں کو جانتا ہوں اور نہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ یعنی ملک ہوں۔

اور اسی راہ کی آخری ہستی نبوتوں کے خاتم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی حکم دیا گیا ہے کہ

---

[۵] کسی خاص علاقہ یا طبقہ ہی کی حد تک نہیں بلکہ عام اسلامی ممالک میں تصوف اور صوفیت کی ریاست جس ذات گرامی پر ختم ہوتی ہے۔ میری مراد حضرت شیخ عبد القادر الجیلانی قدس سرہ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ اُن کے عام حُسنِ قبول ہی کی یہ دلیل ہے کہ پیران پیر غوث اعظم محبوب سبحانی اور اسی قسم کے بیسیوں القاب سے عوام و خواص میں مشہور ہیں۔ مسلمان صوفیوں کی معیاری زندگی کا سب سے اعلیٰ اور بہتر نمونہ آپ کی مبارک زندگی ہے آپ کے دسترخوان پر اعلیٰ سے اعلیٰ لذیذ غذاؤں کو لوگوں نے پایا ہے، لباس مبارک کا بھی آپکے یہی حال تھا، قیام گاہ آپکی بغداد کا جو مدرسہ تھا ایک باضابطہ قصر و ایوان تھا ایک کم ۵۰ اولاد آپکی ہوئی جن میں ۲۷ بیٹے اور باقی صاحبزادیاں تھیں۔ یہ ہے مسلمانوں کے صوفیوں کی مثالی زندگی ۱۲۔

قُل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ — کہدو! کہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں
ولا اعلم الغیب، ولا اقول لکم — اور نہ میں غیب (کی باتوں) کو جانتا ہوں اور نہ کہتا ہوں
انی ملک (الانعام) — کہ میں فرشتہ یعنی ملک ہوں۔

بظاہر اس اعلان سے مقصود یہی ہے کہ اسلامی روحانیت اور غیر اسلامی روحانیت میں جو جوہری فرق ہے لوگ اس سے آگاہ ہوجائیں، واقعہ یہ ہے کہ تاریخ کے نامعلوم زمانہ سے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روحانیت کے مسلک پر چلنے والوں سے اسی قسم کے توقعات لوگ وابستہ کئے چلے آئے ہیں مثلاً یہی کہ رزق کی کشائیش ہیں ان سے مدد ملتی ہے، روزگار آدمی کا ان کی توجہ سے چلنے لگتا ہے، نوکریاں مل جاتی ہیں، یا جن امتحانوں پر نوکریاں موقوف ہیں ان امتحانوں میں وہ لوگوں کو کامیاب بنادیتے ہیں، گویا خیال کیا جاتا ہے کہ اللہ کے خزانے ان کے قبضہ میں ہیں، انکو اختیار دیا گیا ہے جسے جتنا چاہیں اپنے ان مقبوضہ خزانوں سے لوگوں کو بانٹیں اور تقسیم کریں، اسی طرح ان ہی سے پیشگوئیوں کی امیدیں بھی باندھی جاتی ہیں سمجھا جاتا ہے کہ غیب سے جو کچھ شہادت میں آنے والا ہے، سب سے وہ آگاہ ہوتے ہیں۔ عموماً ان ہی آثار سے "روحانیت" اور "رہبانیت" کی راہوں کے اہل کمال کو لوگ پہچاننے کی کوشش کرتے چلے آئے ہیں، کچھ نہیں تو کم ازکم روحانیت والوں سے اسی بات کی توقع کی جاتی ہے کہ جیسے کھانے پینے، وغیرہ جیسی انسانی ضرورتوں سے فرشتے بے نیاز ہیں ملکوتی بے نیازی کا یہی رنگ چاہیئے کہ ان میں بھی پایا جائے، جس حد تک فطرت انسانی کے عام مطالبات سے لاپرواہی ان میں پائی جاتی ہے اسی قدر اس راہ کی برائیوں کے سمجھا جاتا ہے کہ وہ مستحق ہیں۔ نبوات ورسالات جن کی طرف سے بنی آدم کے گھرانوں میں "اسلامی نظام" ہی پیش ہوتا رہا ہے ان کی تاریخ کی ابتدا و انتہا دونوں ہی کی طرف سے مذکورہ بالا باتوں کے اعلان کا مطالبہ تو جیسا کہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے اسی لئے شائد کیا گیا ہے کہ اسلامی روحانیت کے صحیح خط و خال لوگوں کے سامنے آجائیں، یہی بتانا مقصود ہے کہ اسلامی نظام زندگی میں جو "روحانیت" شریک ہے اس کے لئے مذکورہ بالا خصوصیتوں میں سے کسی خصوصیت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی بات کے اعلان کا حکم جہاں دیا گیا ہے وہیں آخر میں یہ بھی ہے کہ

ان اتبع الا ما یوحی الیّ — (یعنی کہدیجئے کہ) میں نہیں پیروی کرتا مگر صرف ان ہی باتوں کی جن کی مجھ پر وحی کی گئی ہے۔

مطلب جس کا یہی ہے کہ اپنے آپ کو بالکلیہ خدا کی بخشی ہوئی ان آگاہیوں کے پیچھے ڈالدینا چاہیئے جس میں اپنے مرضیات سے خدا نے بندوں کو مطلع کیا ہے۔ اسلامی نظام زندگی کی "روحانیت" یہی اور صرف یہی ہے، سب کچھ رکھتے ہوئے سب کچھ کو اسی کی مرضی کا تابع بنا کر جینے کا فیصلہ جس کی طرف سے سب کچھ ملا ہے، اسلامی نظام زندگی میں جو روحانیت شریک ہے اس کا مطلب یہی ہے اس فیصلہ کے خلاف آدمی کا قدم غلطی سے اُٹھ بھی جائے تو چاہیئے کہ اس غلطی کی معافی چاہے، اس پر نادم ہو، اسی کا نام استغفار ہے اور پھر اپنے اسی فیصلہ پر عزم وارادہ کی پوری قوت کے ساتھ واپس ہو جائے اسی کا نام توبہ ہے، بندے کو چاہیئے کہ اسی فیصلہ کے مطابق اپنے آپ کو خدا کے لئے بنانے کی جدّ وجہد میں زندگی بھر مشغول ومنہمک رہے، خدا کا برتاؤ اس کے بعد کیا ہوتا ہے، یہ خدا کا کام ہے جس کا سوچنا بندوں کے فرائض میں نہیں اور نہ بندہ یہ کہہ سکتا ہے کہ کب، زندگی کی کس منزل میں خدا کی طرف سے اُسے کیا کیا دیا جائے گا ہمارے ہاں کے صوفیوں کے کلام میں حور وقصور جنات وانہار والی جنّت کے متعلق کہیں کہیں ایسی باتیں جو ملتی ہیں کہ ان چیزوں کی طلب خدا طلبی نہیں ہے اس کا مطلب یہی ہے جو میں نے عرض کیا، بقول عارف شیراز

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن ٭ کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

لیکن ہمارے گستاخ، رند مشرب، ناسمجھ شعرا، ان بزرگوں کے کلام سے بدترین گمراہیوں کے شکار ہوئے، جیسا کہ عرض کر چکا ہوں انھوں نے فرشتہ بن جانا اسی کو انسانیت کا کمال ٹھہرا لیا اور یوں بے سوچے سمجھے جو جی میں ان کے آیا اسی کو شاعرانہ لباس پہنانے چلے گئے، سڑے ہوئے انگوروں کی شراب، اور بازار میں کرایہ پر چلنے والی بیسواؤں کو دیکھ کر جو لوٹ پوٹ ہو جاتے ہیں کیا تماشا ہے کہ وہ انسانی فطرت کے قدرتی مطلوبات کے ان مظاہر کا مضحکہ اڑاتے ہیں کہ جو ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہو کر خیر محض کے قالب میں آدمی کے سامنے آئیں گے۔ قرآنی زبان میں جس کا نام "الجنۃ" "الفردوس" وغیرہ ہے [1]۔

---

[1] اس موقعہ پر بیساختہ طبقہ صوفیہ کے سرخیل محی الدین عربی شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کا قول یاد آرہا ہے۔ انھوں نے یہ ارقام فرماتے ہوئے کہ قرآنی جنت اگر حیوانی جنت ہے تو چاہیئے کہ

الحیوان یلتذ بالوجہ الجمیل من المرئۃ المستحسنۃ العلام لحسن الوجہ والالوان ص ۴۱۲ فتوحات مکیہ ج ۱

حیوان بھی خوبصورت عورتوں اور نوخیز وحسین وجمیل نوجوانوں اور مختلف رنگوں کی بوقلمونیوں سے لذت اندوز ہوتے

شیخ نے لکھا ہے کہ آخر بہتے ہوئے پانی، لہلہاتے ہوئے سبزہ زار، سرسبز باغ، پھولوں پھلوں سے لدے ہوئے جب ہوں ان کو دیکھ کر انسانی فطرت بے چین ہوتی ہے۔ وجد وسرمستی کی کیفیت اس میں پیدا ہوتی ہے یا بھینسوں، بیلوں کو بھی کسی نے ان نظاروں سے متاثر ہوتے دیکھا ہے۔